© rasailojaraid.com

رئیس احمد جعفری

معارف — علی گڑھ

پون صدی پہلے کا ایک بلند پایہ اُردو مجلّہ

مولوی وحید الدین سلیم گوناگوں صفات وکمالات کے حامل تھے۔ وہ اچھے شاعر، بہت اچھے انشا پرداز، اور بلند مرتبت صحافی تھے، ساتھ ہی ساتھ لغات والسنہ کے فنون سے بھی انھیں غیر معمولی دلچسپی تھی۔ مولانا عبدالحق نے ان کی وفات پر اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے بالکل صحیح فرمایا تھا: "وہ ایک جامع حیثیات شخص تھے۔ عربی اور فارسی کے جیّد عالم تھے"۔ ان کی مہارتِ زبان کے بارے میں بھی مولانا کا یہ ارشاد بالکل بجا ہے کہ مولوی وحید الدین سلیم نے "جدید تعلیم نہیں پائی تھی، اگر مغربی تعلیم کا جو منشا ہے، اس سے ایسے واقف تھے کہ بہت کم جدید تعلیم یافتہ ہوں گے۔ انگریزی نہیں جانتے تھے مگر انگریزی سے اُردو میں اصطلاحات یا الفاظ کا ترجمہ کرنے کی ضرورت پڑتی تھی تو انگریزی داں بھی ان کی واقفیت کو دیکھ کر حیران رہ جاتے تھے وہ الفاظ کے گینڈوں اور ان کی فطرت کو خوب سمجھتے تھے اور لفظوں کی تلاش یا نئے لفظوں کے بنانے میں کمال رکھتے تھے، اور لفظ ایسے موزوں اور جلد بناتے تھے کہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ ان کے دماغ میں سانچے بنے بنائے رکھے ہیں، جن میں سے الفاظ ڈھلتے چلے آرہے ہیں!"[1]

مولوی وحید الدین سلیم ایک عرصۂ دراز تک سرسید کے لٹریری اسسٹنٹ بھی رہ چکے ہیں یعنی سرسید کو اپنی تفسیر اور دوسری اسلامی کتابوں کے سلسلے میں جو مواد درکار ہوتا تھا وہ انہی سے تلاش کراتے تھے۔ بظاہر یہ معمولی نوعیت کا کام تھا لیکن درحقیقت یہی کام تھا جس نے سلیم صاحب کی خفتہ صلاحیتوں کو بیدار کیا۔ ان میں علمی اور تحقیقی ذوق پیدا کیا، وسعتِ نظر اور تلاش وتفحص کا مادہ پیدا کیا، خود اعتمادی کے جوہر سے آشنا کیا۔ دوسروں کے افکار وخیالات کو سمجھنے، پرکھنے اور انھیں کسوٹی پر کسنے کی استعداد پیدا کی۔ مولانا سید سلیمان ندوی نے حیاتِ شبلی میں انھیں صرف "مسلم گزٹ" کے مدیرِ شہیر کی حیثیت سے پیش کیا ہے[2] لیکن ان کی علمی منزلت کی طرف بھی اس مکاتبت کی روشنی میں اشارہ کر گئے ہیں، جو مولانا شروانی اور مولانا شبلی کے مابین ہوئی تھی[3] اور "تاریخ صحافت" میں ان کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سیاسی اخبار مسلم گزٹ ۵۴ کا تو سرسری سا ذکر موجود ہے، لیکن ان کے وقیع ترین علمی کارنامے کا ذکر نہیں ملتا، جو "معارف" کی صورت میں علی گڑھ سے ستر سال پہلے جلوہ گر ہوا تھا۔ مولانا عبیدالحق نے اپنے مضمون میں البتہ چلتا ہوا سا ذکر رسالۂ معارف کا کیا ہے۔ " ان کا رسالہ معارف اُردو کے ان چند رسالوں میں ہے جنھوں نے ملک میں علمی ذوق پیدا کرکے زبان کی حقیقی خدمت کی ہے ۵۵

مولوی وحیدالدین سلیم کے زمانے میں انگریزی تعلیم یافتہ حضرات کی نئی پود سامنے آچکی تھی۔ لیکن یہ زیادہ سرکاری ملازمت اور حصول جاہ و منصب کے چکر میں گرفتار تھی، جاہ و منصب سے بے نیاز ہو کر علمی، تحقیقی یا مذہبی کام کرنے کی لگن اس میں ابھی نہیں پیدا ہوئی تھی، یہی وجہ ہے کہ اس وقت تک تراجم کا دَور بھی باقاعدہ طور سے شروع نہیں ہوا تھا۔ انگریزی یا دوسری مغربی زبانوں کے شہ پارے ابھی تک اُردو میں منتقل نہیں ہوئے تھے۔ جو کتابیں ترجمہ ہوئی تھیں وہ زیادہ تر افسانوں، ناولوں اور ڈراموں پر مشتمل تھیں اور یہ نو پید لٹریچر ظاہر ہے کسی علمی مرتبے کا نہیں تھا یعنی اسے سامنے رکھ کر علوم مغربی سے ایک بے بہرہ شخص صحیح معنی میں فائدہ نہیں اٹھا سکتا تھا لیکن دوسری مشرقی زبانوں میں تراجم کا دَور شروع ہو چکا تھا۔ خاص طور پر مصر میں فرانس اور انگلستان کے بہترین مصنفوں کی کتابوں کے ترجمے شائع ہو چکے تھے۔ ایران مصر کی ہمسری تو نہیں کر سکتا تھا، لیکن وہ بھی اس کے قدم بہ قدم چل رہا تھا، اور فارسی میں اچھا خاصا علمی ذخیرہ جو غیر زبانوں سے مستفاد تھا، فراہم ہو چکا تھا۔

مولوی وحیدالدین سلیم کی یہ خوش قسمتی تھی کہ وہ انگریزی، اور دوسری مغربی زبانوں سے ناواقف تھے، لیکن عربی اور فارسی میں انھیں غیر معمولی استعداد حاصل تھی، عربی کی تحصیل اپنے زمانے کے یگانۂ روزگار بزرگ مولانا فیض الحسن سے کی تھی۔ اسی طرح فارسی بھی انھوں نے وقت کے ماہر اساتذہ سے حاصل کی تھی، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ انگریزی اور دوسری مغربی زبانیں نہ جاننے کی تلافی انھوں نے عربی اور فارسی کے مطالعہ سے کر لی تھی، ان زبانوں میں اس طرح کا جتنا لٹریچر بھی تھا اس کا امعان نظر سے مطالعہ کرتے تھے۔ آدمی ذہین اور طباع تھے جو پڑھتے تھے اسے یاد بھی رکھتے تھے، اور اس سے فائدہ اٹھانے کا گُر بھی جانتے تھے۔ چنانچہ جب انھوں نے سرسیّد کے ادبی مددگار کی حیثیت سے فراغت حاصل کی تو علی گڑھ سے ایک بلند پایہ، اور اپنی نوعیت کا پہلا علمی رسالہ "معارف" جاری کر دیا۔

معارف کی ایک اہم خصوصیت یہ تھی کہ وہ بڑی حد تک " سولیڈ جرنلزم کا نمونہ تھا، یعنی اس میں جو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مقالات شائع ہوتے تھے وہ زیادہ تر ایڈیٹر ہی کی کاوشِ دماغی کا نتیجہ ہوتے تھے۔ باہر کے اہلِ علم اور اہلِ قلم اس میں بہت کم حصہ لیتے تھے۔

معارف علمی رسالہ تھا، لیکن صرف کسی ایک موضوع تک محدود نہ تھا، اس میں علمی حیثیت کے گوناگوں مقالات جو مختلف عنوانات پر مشتمل ہوتے تھے شائع ہوا کرتے تھے، اس لیے قارئینِ معارف رنگارنگ علمی مقالات سے پورے طور پر مستفید ہوتے تھے، عربی اور فارسی کے تراجم بھی ہوتے تھے بلند پایہ تصانیف پر سیر حاصل تبصرے بھی، اور مختلف علمی مقالات کو سامنے رکھ کر ایک خاص ترتیب اور نہج سے مقالہ سازی کے کرشمے بھی، مجموعی حیثیت سے رسالہ معارف کی بلند پائیگی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی جیسے اعلیٰ پایہ کے اہلِ علم بھی شوق اور اشتیاق کے ساتھ اس میں اپنے مضامین کی اشاعت کے متمنی رہا کرتے تھے[۶]، اور مولانا شبلی بھی ذاتی رنجش کے باوجود اسے پسند کرتے تھے کہ ان کی کتابوں پر تبصرے معارف میں شائع ہوں۔[۷]

بہت بڑا المیہ یہ ہے کہ ہماری بے پروائی سے وہ علمی سرمایہ بھی ناپید ہوتا جا رہا ہے جو تاریخ کا ماخذ بن سکتا ہے۔ سارے پاکستان میں الہلال، اور ہمدرد اور کامریڈ کے مکمل فائل کسی لائبریری میں موجود نہیں ہیں، اگرچہ کینیڈا اور انگلستان کی کئی لائبریریوں میں آسانی کے ساتھ مل جائیں گے۔ حد یہ ہے کہ زمیندار پیسہ اخبار اور وطن کے فائل بھی نہ کسی لائبریری میں ملیں گے، نہ کسی خاندان میں، حالانکہ یہ تینوں اخبارات لاہور ہی سے شائع ہوتے تھے۔ اور ان اخبارات کے بانیوں کے احفاد کرام ماشاء اللہ عافیت کی زندگی بسر کر رہے ہیں، لیکن ان کے پاس بھی مکمل تو کجا نامکمل فائل بھی نہیں مل سکتے۔

یہی حالت معارف کی بھی ہے، اس کے فائل کبریتِ احمر کا حکم رکھتے ہیں۔ البتہ مولوی وحید الدین سلیم کے مقالات کے چند مجموعے جو شائع ہوتے ہیں، ان میں موصوف کے لکھے ہوئے چند مقالات جو علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ، مسلم گزٹ اور معارف میں شائع ہوئے تھے شامل کر دیئے گئے ہیں۔ ہم آج کی صحبت میں معارف کا تعارف کرانا چاہتے ہیں، وہ بھی صرف سلیم صاحب کے مقالات کی حد تک اس سے معارف کی قدر و قیمت کا بہ آسانی اندازہ ہو سکے گا۔

مارچ ۱۹۰۰ء کے معارف میں مدیر کا ایک دلچسپ مضمون "انسان نے اوّل اوّل بولنا کیوں کر شروع کیا؟" کے عنوان سے شائع ہوا ہے [illegible] ایک مغربی [illegible] السنہ کے افکار و خیالات کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بڑی خوبی کے ساتھ ترجمانی کرتے ہوئے فرمایا ہے :

"اٹھارویں صدی کے فلاسفہ، لاک، ایڈم اسمتھ، ڈوگلڈ، اسٹوارٹ وغیرہ یہ کہتے ہیں کہ انسان پہلے بالکل گونگا تھا، جب اشاروں اور حرکتوں سے کام نہ چلا تو اس کی زبان خود بخود کھل گئی اور ہر مطلب کے الفاظ اس کے منہ سے نکلنے لگے ان الفاظ پر متکلم اور سامع دونوں کا اتفاق ہوتا گیا، اور رفتہ رفتہ ایک وسیع زبان پیدا ہو گئی۔"

پھر آگے چل کر فرماتے ہیں :

"میرے نزدیک بے زبان جانور کلی معنوں کا تصور نہیں کر سکتے۔ تمام جانداروں میں صرف انسان اس کی قدرت رکھتا ہے، اسی سبب سے فکر اور نطق، یہ دونوں صفات انسان ہی کے ساتھ خاص ہیں۔ فکر اور نطق دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے جو کلام بغیر فکر کے ہو وہ خالی آواز ہے، اور جو فکر بغیر کلام کے ہو وہ لغو اور بیکار ہے، ہر کلمہ جو انسان کے منہ سے نکلتا ہے وہ ایک مجسم فکر ہے۔ یہ بیان عالم السنہ پروفیسر میکس مولر کا ہے۔"

جون اور جولائی ۱۹۰۱ء کے رسالہ معارف میں مدیر کے قلم سے مولانا حالی کی نومطبوعہ کتاب "حیات جاوید" پر ریویو نہایت تفصیل سے شائع ہوا ہے۔ چونکہ سلیم صاحب خود بھی ادبی مددگار کی حیثیت سے کئی سال تک سرسید کے ساتھ رہ چکے تھے، اس لیے تبصرے کے دوران میں اپنے ذاتی معلومات کی پیوندکاری بھی کرتے گئے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ مصنف اور تبصرہ نگار میں اگرچہ خادم اور مخدوم کا رشتہ ہے، لیکن جہاں ضرورت محسوس کی ہے، نکتہ چینی سے بھی گریز نہیں کیا ہے۔ یہ تبصرہ بے انتہا دلچسپ اور فکر آفرین ہے، اس لیے ہم اس پر بطور خاص گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔

مدیر موصوف نے فرمایا ہے :

"یورپ میں لائف نویسوں کا ایک گروہ اس بات پر اعتقاد رکھتا ہے کہ جب تک ہیرو کی خوبیوں اور نیکیوں کے ساتھ اس کے عیبوں اور برائیوں کو بھی درج نہ کیا جائے اس کی زندگی کے واقعات دوسروں کے لیے رہنمائی کا کام نہیں کر سکتے، ہم اس گروہ کے طرف دار ہیں اور اس کی رائے کو زیادہ مدلل اور مستحکم پاتے ہیں۔ مگر اس کے ساتھ ہی ہم یہ کہنے سے بھی باز نہیں رہ سکتے کہ لائف نویس جب دونوں قسم کے افعال پر نظر ڈالے تو اس کو یہ لازم ہے کہ انھی افعال کو زیر نظر رکھے جن کا اثر پبلک تک پہنچتا ہے۔ ہربرٹ اسپنسر نے سچ لکھا ہے کہ واقعات کی فہرستیں تیار کرنا دلچسپ ضرور ہے، مگر اس کے مفید ہونے میں تامل ہے۔"

آگے چل کر فرمایا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"وجہ تالیف بیان کرنے کے بعد مولانا نے سرسیّد کی ان مختلف حیثیتوں کی طرف اشارہ کیا ہے جو ان کی ذاتِ بابرکات میں قدرت نے جمع کر دی تھیں، اور یہ عذر کیا ہے کہ ہر حیثیت پر کما حقہٗ گفتگو کرنا اسی مصنف کا کام ہے، جو سرسید کے برابر جامع حیثیات ہو مگر ہمارا خیال اس سے مختلف ہے، یورپ میں بھی ایسے نامور اشخاص ہو گذرے ہیں اور اب بھی موجود ہیں جن میں مختلف حیثیتیں پائی جاتی ہیں ان کی لائف لکھنے کے لیے ہر پلینٹر ویسی ہی مختلف حیثیتوں کے مصنف کی تلاش نہیں کرتا، بلکہ یا تو ہر حیثیت پر جُدا کتاب لکھوائی جاتی ہے، یا ایک ایک حیثیت پر اس حیثیت رکھنے والے مصنف سے مضمون لکھوایا جاتا ہے، پھر ان تمام مضامین کو ہیرو کے حالاتِ زندگی کے ساتھ شامل کر کے ایک کتاب مرتب کر دی جاتی ہے، چنانچہ حال میں گیسلے کی لائف اس طریقے سے لکھی گئی ہے۔ سرسیّد کی وفات کے بعد پروفیسر ماریسن نے اسی بنا پر کالج میگزین کے لیے تین مضمون لکھوائے تھے۔ ایک مضمون "سرسید اور پالٹکس" کے عنوان سے خود انھوں نے لکھا تھا، دوسرا مضمون "سرسید اور مذہب" مولانا سے جو اس کتاب کے مصنف ہیں لکھوایا تھا۔ تیسرا مضمون "سرسیّد اور اردو لٹریچر" کی سرخی سے تھا۔ اور وہ مولوی شبلی سے لکھوایا گیا تھا"۔

آگے چل کر مزید فرمایا ہے؛

"مولانا نے اس کتاب میں بہت سے مقالات پر سرسیّد کے مقالات و خیالات، عادات اور حالات پر نکتہ چینی کی ہے، مگر حق یہ ہے کہ جس شد و مد سے انھوں نے اس امر کا وعدہ دیباچہ میں کیا ہے اس کو ایک شمّہ بھی پورا نہیں کر سکے"۔

مولانا شبلی پر تو یہ اعتراض ہے کہ انھوں نے بعض رنجشوں کے باعث اس کتاب کو "کتاب المناقب" کہہ کر طنز کیا تھا، لیکن سرسید کے لٹریری اسسٹنٹ کی اس رائے کے بارے میں کیا کہا جائے گا؟

تبصرے کے دوران میں ایڈیٹر نے اپنے ذاتی معلومات و تاثرات بھی پیش کیے ہیں۔ چناں چہ ایک جگہ لکھا ہے:

"مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ جب کہ اضلاع شمال و مغرب کے کالجوں میں تعلیم کی فیس بڑھائی گئی تو سرسیّد نے اس نظر سے کہ کم استطاعت مسلمان ہائی ایجوکیشن سے محروم رہ جائیں گے، فیس کے اضافہ پر افسوس کا اظہار کیا۔ اور فرمایا اگر ہمارا کالج مسلمانوں ہی کے چندہ سے چل سکتا، اور گورنمنٹ سے گرانٹ اور ایڈ لینے کی ضرورت نہ پیش آتی تو ہم نصابِ تعلیم اور فیس کے باب میں اپنی قوم کے حالات و ضروریات کے موافق قواعد بنا سکتے"۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مولانا عبدالحق نے وحید الدین سلیم کے بارے میں تحریر فرمایا ہے:

"باوجود زبردست عالم فاضل ہونے کے مذہب سے بیگانہ تھے، یہ ذاتی چیز ہے، اسے علم وفضل سے کوئی واسطہ نہیں"! ۵ء

لیکن اس بیان کی تصدیق مشکل ہے۔ دیکھئے یہ مذہب سے بے گانہ شخص حیات جاوید پر تبصرے کے دوران میں کیا لکھتا ہے:

"ایک عیسائی رسالہ امہات المومنین جب سرسید کے پاس پہنچا تو اس وقت راقم بھی موجود تھا۔ سرسید نے فرمایا۔ تم اس رسالہ کو پڑھ کر اس کے تمام دلائل کا خلاصہ لکھ دو، میں نے جب اس کو ہاتھ میں لیا، اور پڑھنا شروع کیا تو میرا بدن کانپنے لگا، اور مصنف کی زبان درازیوں کو دیکھ کر جو اس نے آنحضرتؐ کی نسبت کی ہیں مجھ میں صبر و تحمل کی طاقت باقی نہیں رہی اور میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ بجائے اس کے کہ کوئی جواب دیا جائے اسے آگ میں جلا دینا بہتر ہوگا۔ سرسید میری یہ حالت دیکھ کر ہنسے اور فرمانے لگے کہ اب وہ وقت نہیں رہا کہ غیر مذہب والوں کے اعتراضوں سے اغماض کیا جائے۔ اگر علماء ان اعتراضوں سے غافل رہیں گے تو یہ کتابیں جن مسلمانوں کی نظروں سے گذریں گی وہ رفتہ رفتہ اپنا مذہب لغو سمجھ کر چھوڑتے جائیں گے۔ اور ان کے مرتد ہونے کا گناہ خود ان علماء کی گردن پر ہوگا"!

حیات جاوید میں سرسید کی تفسیر قرآن کا ذکر بھی آیا ہے، اس سلسلے میں سلیم صاحب فرماتے ہیں:

"جس زمانے میں خاکسار سرسید کی تفسیر کے لیے میٹریل بہم پہنچانے اور ان کو مذہبی تصنیفات میں مدد دینے پر مامور تھا، اس بات کا بارہا اتفاق ہوا کہ جن رایوں میں سرسید بظاہر متفرد معلوم ہوتے تھے، اور جن کو وہ اپنی تفسیر میں درج کر چکے تھے ان میں سے بعض کی تائید میں دیگر بعض محققین اسلام کے اقوال نکل آتے تھے، اس کا ثبوت سرسید کی تفسیر کے اس مطبوعہ نسخے سے ہوتا ہے جو ہمیشہ سرسید کی زیر نظر رہتا تھا اور جس کے حاشیے پر اس قسم کے اقوال قلمی لکھے گئے تھے، اور جو اب محمڈن کالج علی گڑھ کے کتب خانے میں موجود ہے"!

اس معلومات انگیز انکشاف کے بعد ایک مزید انکشاف مولوی وحید الدین سلیم نے مذکورہ عبارت کے حاشیے میں کیا ہے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں:

"یہ نسخہ جو درحقیقت سرسید کی ایک مہتم بالشان یادگار ہے۔ سرسید کی وفات کے بعد غلطی سے ڈیوٹی شاپ مدرسۃ العلوم کی بکری کی کتابوں میں چلا گیا تھا، اتفاق سے جب ہماری نظر اس پر پڑی تو ہم نے بکری کی کتابوں سے نکال کر اس کو کالج لائبریری میں داخل کر دیا ورنہ اس کے ضائع ہو جانے کے بعد اس کا تدارک ناممکن تھا۔"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جیسا کہ سطور بالا میں عرض کیا جا چکا ہے مولوی وحید الدین سلیم انگریزی سے ناآشنا تھے لیکن عربی، فارسی تراجم کے بل پر انگریزی علوم و فنون پر ان کی بہت اچھی نظر تھی، اور جو کچھ وہ لکھتے تھے اس میں وزن بھی ہوتا تھا اور اجتہادی انداز بھی، جنوری ۱۹۰۰ء کے معارف میں "فلسفۂ تاریخ پر ایک سرسری نظر" کے عنوان سے ایک پُر مغز مقالہ انھوں نے تحریر فرمایا ہے، اس کا ذیل کا حصہ خاص طور پر غور طلب ہے:

"مسٹر بکل نے جو انگلستان کا مشہور مورخ ہے تاریخ کی تعریف یہ کی ہے کہ نیچر جو تبدیلیاں انسان میں کرتی ہے اور انسان جو تصرفات نیچر میں کرتا ہے ان کے مجموعے کا نام تاریخ ہے، اس تعریف سے وہ تمام مافوق الفطرت واقعات خارج ہو جاتے ہیں جن سے قدیم تاریخوں کا سرمایہ تیار ہوا ہے، زمانۂ حال میں تاریخ کے فن نے ترقی کی بہت منزلیں طے کرلی ہیں۔ آج کل اگر کوئی مورخ اپنے زمانے کے واقعات اور حالات اس طرح جمع کردے کہ اس سے سلاطین کا سلسلۂ نسب ان کا سنۂ جلوس لوروفات ان کے معرکوں کی تفصیل معلوم ہو تو اس کو مورخ نہیں شمار کریں گے۔ ہمارے زمانے کے مورخ کا یہ فرض ہے کہ وہ تاریخ لکھنے سے پہلے، جغرافیہ، علوم طبیعیہ، علم سیاست مدن (پولیٹیکل اکانومی) علم سیاست، علم قوانین، علم آثار قدیمہ (آریکالوجی) علم الاصنام (میتھالوجی) علم اللسان (فلالوجی) علم انواع الانسان (اتھنالوجی) اور علم الاحصا (اسٹے ٹسٹکس) وغیرہ علوم و فنون سے آگاہ ہو تاکہ انسان اور نیچر کی باہم کشمکش کے راز کو سمجھ سکے اور ان واقعات کے اسباب و نتائج کو بیان کر سکے جن کا لکھنا مقصود ہے۔"

ستمبر ۱۹۰۰ء کے معارف میں فاضل مدیر کے قلم سے ایک نہایت فاضلانہ اور مدلل اور جذبات آفرین مضمون "حامیان ہندی اور ان کا مغالطہ" کے عنوان سے شائع ہوا ہے، یہ درحقیقت یو۔ پی کے لفٹیننٹ گورنر کی اُردو کش پالیسی کے خلاف ایک عالمانہ اور پرزور احتجاج ہے، ایک موقع پر لکھتے ہیں:

"صوبہ جات متحدہ (یو۔پی) کے عام باشندوں کو جن کی زبان اُردو یا ہندوستانی ہے، اور جن میں ہندو اور مسلمان دونوں قوموں کے باشندے شامل ہیں سخت تعجب اس بات پر ہے کہ ہز آنر نواب لفٹیننٹ گورنر اضلاع شمال و مغرب نے ۲ مارچ ۱۸۹۸ء کو حامیان ناگری (ہندی) کے میموریل کے جواب میں جو اسپیچ کی تھی اس میں انھوں نے تسلیم کیا ہے کہ حامیان ناگری اس زبان (اردو) کو تبدیل کرنا نہیں چاہتے جو عدالتوں میں رائج ہے، بلکہ وہ اس رسم الخط کی تبدیلی کرنا چاہتے ہیں جس میں وہ زبان لکھی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ ۱۸ اپریل کے ریزولیوشن کے نافذ کرنے کے وقت خود نواب ممدوح نے بھی اس کا اقرار کیا ہے کہ یہ ریزولیوشن ہندی حروف کے عدالتوں میں جاری کرنے سے متعلق ہے، ہندی زبان سے اس کو کوئی تعلق نہیں ہے، پھر آخر کیا وجہ، اس بات کی پیش آئی کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۱ رجون ۱۹۰۰ء کے ریزولیوشن میں ہندی زبان اور ناگری حروف دونوں کو عدالتوں میں جاری کرنے کا حکم صادر کیا گیا ہے، حالاں کہ اس حکم کا ایک جز میموریل پیش کرنے والوں کی خواہش سے بھی زیادہ ہے"!

اب ذیل میں ہم مولوی وحید الدین سلیم کے چند مقالات کی فہرست شائع کرتے ہیں، جو رسالۂ معارف کے مختلف نمبروں میں شائع ہوئے ہیں، ان مقالات سے اندازہ ہو سکے گا کہ علمی اور فکری اعتبار سے کتنے اہم عنوانات اور موضوعات پر یہ لکھے گئے ہیں، اور جہاں تک تحقیق و تدقیق کا تعلق ہے ظاہر ہے، یہ چیز ہر طرح کے ایراد سے بالا ہے:

۱-	مسلمانوں کا تمدن	صفحات	۴۰	معارف	دسمبر ۱۸۹۸ء، جنوری	۱۸۹۹ء
۲-	ابن جبیر اور اس کی سیاحت	"	۵۵	"	جولائی، اگست و ستمبر	۱۸۹۸ء
۳-	تمدنِ عرب پر ریویو	"	۲۵	"	نومبر، دسمبر	"
۴-	طبیعیات اور اہل اسلام	"	۹	"	جولائی	۱۹۰۰ء
۵-	ریاضت جسمانی اور اسلام	"	۸	"	ستمبر	۱۸۹۹ء
۶-	شاعرانہ خیالات	"	۶	"	نومبر، دسمبر	۱۹۰۱
۷-	ہماری زمین اور ستارے کیونکر پیدا ہوئے؟	"	۸	"	جون	۱۸۹۸
۸	آواز نویسی	"	"	"	جنوری	۱۹۰۰
۹-	بلنسیہ (اسپین کا ایک شہر)	"	"	"	جولائی	۱۸۹۸
۱۰-	طاعون کی نسبت طبی اور مذہبی ہدایتیں	"	۹	"	"	"
۱۱-	نہلسٹ اور انارکسٹ	"	۲۲	"	نومبر	۱۹۰۱ء
۱۲-	تجارت کی تاریخ	"	۱۶	"	مارچ	۱۹۰۰ء

مضمون خاصا طویل ہو گیا ہے لیکن اسے ختم کرنے سے پہلے ہم مدیر معارف کے ایک تبصرے سے ناظرین کو روشناس کرانا چاہتے ہیں، اس سے اندازہ ہوگا کہ یہ مولوی محض اپنے علم اور معلومات کے اعتبار سے کس طرح بزم علم و ادب میں اپنا ایک نہ مٹنے والا نقش قائم کر گیا ہے۔ تبصرہ جس کتاب پر کیا گیا ہے وہ ایک ناول ہے، اور اس کا نام ہے "چاک گریباں" تبصرہ نگار لکھتا ہے (معارف دسمبر ۱۹۰۰ء)

اس نام کی ایک کتاب ریویو کے لیے ہمارے پاس پہنچی ہے، یہ ایک ناول ہے، اس کے مصنف وہی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رینالڈ صاحب ہیں جن کے بہت سے ناول اردو میں ترجمہ ہو چکے ہیں، رینالڈ صاحب کے سوا انگلستان کے اور مصنفوں کے ناول بہت کم ترجمہ کیے گئے ہیں، رینالڈ صاحب ناول نویسی کے لحاظ سے ادنیٰ درجے پر ہیں، ان کے ناولوں کو شاذ و نادر ہی کوئی انگریز پڑھتا ہوگا، انھوں نے انگلستان کے شاہی خاندان اور طبقۂ امرا کے اندرونی عیوب کا خاکہ اڑایا ہے اور یہی پہلو ان کے ناولوں میں زیادہ نمایاں ہے شیکسپیر نے جو طریقہ سوشل اور مارل اصلاح کا اختیار کیا ہے وہ ایسا عمدہ ہے کہ اس کا اثر انسان کی طبیعت پر دیرپا رہتا ہے، وہ صراحت سے کبھی کام نہیں لیتا۔ صراحت کا جو طریقہ مسٹر رینالڈ نے اختیار کیا ہے وہ پڑھنے والوں پر بہت برا اثر ڈالتا ہے۔ یورپ کے جن ناول نویسوں نے انسان کی سائیکالوجی کو غور سے مطالعہ کیا ہے وہ کبھی ایسے ناول نہیں لکھتے۔ اردو زبان کی بدقسمتی ہے کہ اب تک عمدہ ناولوں کا ترجمہ اس میں نہیں ہوا۔ امسال رام پور کے جلسۂ کانفرنس میں جناب عماد الملک مولوی سید حسین بلگرامی نے ہمارے ملک کے ناولوں پر جو مخالفانہ ریمارک کیا ہے وہ نہایت ہی سچا اور نہایت ہی تلخ تھا، اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ اب تک انگریزی زبان سے ایسے ہی ناولوں کا ترجمہ ہوا ہے جو نوجوانوں کے اخلاق پر زہریلا اثر ڈالتے ہیں۔ اور جو ناول ترجمہ نہیں ہوئے بلکہ تصنیف کیے گئے ہیں وہ ترجمہ شدہ ناولوں سے بھی زیادہ خراب ہیں۔ یورپ کے اکثر ناولوں میں کم سے کم پلاٹ کی عمدگی، واقعات کی مربوطی، تخیل کا پیچیدہ اور حیرت انگیز تسلسل تو ضرور پایا جاتا ہے جس سے ناول نویسوں کی دماغی قابلیت کا سراغ ملتا ہے، مگر یہاں کے تصنیف کیے ہوئے ناولوں میں تو کوئی ایسی بات بھی نہیں پائی جاتی!

حوالے:

۱؎ مولوی عبدالحق کا مقالہ، مولوی وحید الدین سلیم پانی پتی، ۲؎ حیاتِ شبلی: از مولانا سید سلیمان ندوی ۳؎ مکاتیب شبلی، شبلی بنام شروانی، ۴؎ تاریخِ صحافت شائع کردہ مجلس ترقی ادب، لاہور، ۵؎ مولوی عبدالحق کا مقالہ، مولوی وحید الدین سلیم پانی پتی، ۶؎ مکاتیب شبلی۔ شروانی بنام شبلی، ۷؎ مکاتیب شبلی شبلی بنام شروانی۔ ۸؎ مولوی عبدالحق کا مقالہ، مولوی وحید الدین سلیم پانی پتی:

© rasailojaraid.com